بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

(از مسعود عالم ندوی)

یوں تو کاغذ کی کم یابی اور نئے قانون کی جکڑبندیوں کے باعث رسالے کی اشاعت میں ابتری پیدا ہو گئی تھی، مگر زیر نظر اشاعت میں ایک دوسری وجہ سے بھی کافی تاخیر ہوگئی۔ مولانا مودودی دو ہفتوں سے علیل ہیں، نزلہ و زکام کا شدید حملہ ہے۔ ابھی ہفتہ عشرہ انھیں مکمل آرام کی ضرورت ہے، صرف اشارات کے انتظار میں پرچہ رکا ہوا تھا، مزید تاخیر نامناسب معلوم ہوئی، اس لیے اس ماہ "ترجمان" کی خدمت راقم الحروف کے سپرد کی گئی جو اپنی نااہلیت کے اعتراف کے باوجود اسے بادلِ ناخواستہ قبول کرنا پڑی۔ کوتاہیوں اور لغزشوں کے لیے ناظرین سے چشم پوشی کی درخواست ہے۔

کاغذ کے متعلق نئے قانون سے تمام رسالوں کی زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔ ہماری راہ میں بھی اس وجہ سے بڑی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ کاغذ کی رسد کی حد درجہ کمی اور مضامین کی فراوانی کا اس کے سوا کوئی حل نظر نہیں آیا کہ رسالہ ۲۰×۲۶ کی جگہ ۲۰×۳۰ کی تقطیع پر شائع ہو۔ اور مسطر خفی سے خفی کر دیا جائے۔ اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اس طرح پر زیادہ سے زیادہ مضامین کی گنجائش نکل سکے گی۔ یہ ابتلا عالمگیر ہے، اور اس سے مفر کی کوئی راہ نہیں۔ جب تک شیاطین جن و انس کا برپا کیا ہوا یہ طوفان جاری ہے، صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین بھی اس ابتلائے عام میں ہماری دشواریوں کا احساس کرتے ہوئے صبر و ضبط سے کام لیں گے۔

کاغذ کی کم یابی، ہوش ربا گرانی اور چور بازار کی مصیبتوں سے نشر و اشاعت کا سارا نظام بھی درہم برہم ہو رہا تھا، ملک کے طول و عرض سے لٹریچر کے پورے سٹ کا مطالبہ ہوتا تھا، لیکن ہمارا مکتبہ اس کی تعمیل سے قاصر تھا۔ فرمائشوں کی عدم تعمیل کے باعث لٹریچر کے قدر دانوں میں مایوسی پیدا ہو چلی تھی۔ لیکن مکتبہ کے کارکن کوششوں سے غافل نہیں تھے۔ آخر توفیق الٰہی سے، جدید کنٹرول آرڈر کا نفاذ شروع ہونے سے پہلے ہی ہمارے پاس کاغذ کا معتد بہ ذخیرہ فراہم ہو گیا جس سے از سر نو لٹریچر کا پورا سٹ مکتبہ میں جمع ہو گیا ہے۔ ہماری دعوت کے پھیلنے میں لٹریچر کی کمی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اب کہ یہ رکاوٹ دور ہو گئی ہے۔ جماعت کے ارکان اور ہمدردوں کا فرض ہے کہ اشاعت کے کام میں لگ جائیں، اور جو موقع مل رہا ہے، اسے غنیمت شمار کریں نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ پھر یہ آسانیاں حاصل ہو سکیں گی یا نہیں؟

ہم اقامت دین کا جو کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں، اس کا دائرہ عمل کسی ایک ملک، قوم یا خطۂ ارض میں محدود نہیں۔ اس لیے

ابتدا ہی سے ہندوستان اور دنیا کی دوسری مشہور زبانوں میں لٹریچر کے ترجمے کا خیال پیش نظر رہا ہے۔ گو حالات کی ناسا عدت کے باعث رفتار تیز نہیں ہو سکی ہے۔ انگریزی میں صرف چند رسالے منتقل ہوئے ہیں، ابھی بڑا کام باقی ہے۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں بھی جابجا کام ہو رہا ہے۔ بنگال و آسام کا علاقہ، ہماری دعوت سے اب تک بالکل نا آشنا ہے۔ بنگلہ ترجمہ کا کام پٹنہ میں شروع ہو گیا ہے، مگر ابھی رفتار سست ہے۔ شانتی نکیتان میں بھی ایک صاحب علم نے تعاون کا وعدہ کیا ہے، اللہ کرے، یہ دعوت ان کے دل میں گھر کر جائے اور مشرقی ہندوستان کو اسلامی تحریک سے روشناس کرانے کا کام وہ اپنے ذمہ لیں۔ اس سلسلہ میں بہار و بنگال کے ارکان جماعت کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں، ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ کوتاہی سے کام نہیں لیں گے۔ ترکی ترجمہ خود دارالاسلام میں ایک ترکستانی ادیب کر رہے ہیں۔

مگر ان سب کے ساتھ جو حقیقت تلخ اور تکلیف دہ بھی وہ یہ کہ عربی زبان میں اب تک لٹریچر کے منتقل کرنے کا کوئی خاطر خواہ نظم نہیں ہو سکا ہے اور عربی کا کام دوسری زبانوں سے زیادہ دشوار اور اہم بھی ہے۔ عدن سے لے کر مغرب اقصیٰ تک عربی بولنے والی قوموں کی آبادیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ عربی بولنے والوں کی آبادی سات کروڑ سے کم نہ ہو گی۔ اس کے علاوہ مشرقی افریقہ کے بعض علاقوں اور جزیروں میں بھی عربی کا چلن مادری زبان کی طرح ہے۔ جنوبی امریکہ میں بھی عربوں کی بڑی نو آبادی ہے۔ ان میں زیادہ تر مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی اور دوسری قومیں۔ بعض علاقوں (جیسے لبنان) میں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ اس پوری آبادی کو عربی زبان ہی کے ذریعہ خطاب کیا جا سکتا ہے۔ ان میں جابجا ایسے طبقے بھی ہیں (جیسے مراکش، الجزائر، نجد، یمن) جو ابھی اسلام کی تعلیمات سے زیادہ دور نہیں ہوئے اور اگر انھیں صحیح طریقہ پر دعوت دی جائے، تو وہ آسانی سے اقامت دین کی دعوت پر لبیک کہہ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں ایسے فرقے بھی ہیں (جیسے دروزی، یزیدی) جو ابتدائی صدیوں ہی میں اسلام کی تعلیم سے دور جا پڑے، اور آج تک وہ اپنے مخصوص عقیدوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ فقہی مذاہب کے لحاظ سے بھی، عربی ملکوں میں چاروں اماموں (ائمہ اربعہ) کے متبعین پائے جاتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے بعض خطے (مصر، عراق، شام) عربی قومیت کے نشے میں سرشار ہیں —— کہنا یہ ہے کہ عربی بولنے والی سات کروڑ آبادی ہندوستان کی طرح یکساں (Homogeneous) خیالات نہیں رکھتی۔ عربی بولنے والی قوموں کو دین کی دعوت دینے کے لیے بڑی تیاری اور دور بینی کی ضرورت ہے۔ اور نوع بنوع مریضوں کے لیے مختلف قسم کا تریاق بھی تیار کرنا پڑے گا۔

جماعت کے موجودہ لٹریچر کا صرف ترجمہ کر دینا عربی داں پبلک کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ لٹریچر کے ترجمے میں بھی عرب کے مخصوص حالات و افکار کے اعتبار سے جابجا ضمنی تبدیلیاں اور اضافے کرنا ہوں گے۔ نیز اچھا خاصہ صالح لٹریچر براہ راست عربی زبان میں تیار کرنا پڑے گا جو وقت کے چلنسار اور مقبول عام افکار کے مقابلے میں اسلامی فکر اور اسلامی تحریک کو صحیح اور سائنٹفک طریقے پر پیش کر سکے۔ یہ صالح لٹریچر اپنی زبان، طریقۂ نظر و فکر اور اسلوب بحث کے لحاظ سے اتنا ممتاز اور نمایاں ہو کہ دل اس کی طرف خود بخود کھنچ جائیں اور دماغ اس سے اثر پذیر ہو سکیں۔

یہ کام صرف صالح لٹریچر کی تیاری سے بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ہمیں ایک اعلیٰ درجہ کے ماہنامہ کی ضرورت ہوگی، جو ایک طرف تو اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے عربی کے مشہور رسالوں کے مقابلے پر آ سکے، دوسری طرف وقت کے تمام مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے بے لاگ تنقید کر سکتا ہو۔ بدنصیبی سے عربی دنیا کی ادبی قیادت مصر کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ اور مصری صحافت کا بڑا حصہ شامی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو اخبار اور رسالے مصریوں کی ادارت و انتظام میں نکلتے ہیں۔ وہ مصری قومیت اور فراعنہ پر فخر کرنا اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ مصری زندگی میں دین ایک پرائیوٹ چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ مصر کی سب سے بڑی قوم پرور اور سرفروش پارٹی حزب الوفد ہے، جس کی بنیاد سعد زغلول مرحوم (ف ۱۹۲۷ء) نے رکھی تھی۔ اس پارٹی کا شعار سعد زغلول کا مشہور فقرہ:-

الدینُ للہ والوطنُ للجمیع

ہے، جس سے زیادہ گمراہ کن سیاسی نعرہ شاید ہی اس دور میں بلند کیا گیا ہو۔ قبطیوں کے ملانے کے لیے، وفدیوں نے "دین" کو اللہ اور بندے کا ایک ذاتی معاملہ بنا کر رکھ دیا —— یہ تو مصر کے صحافیوں اور سیاست کاروں کا عالم ہے، جو گذشتہ پچاس برسوں میں تمام عربی ملکوں پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں، اور آج بھی ان کا اثر کم نہیں ہوا بلکہ بڑھ ہی رہا ہے۔ علماء کا حال ان سے بھی بدتر ہو گیا تھا، اور افسوس کہ آج بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں۔ ان کا حلقہ اثر و نفوذ مسجدوں اور خانقاہوں تک محدود ہے۔ سیاسی پلیٹ فارم اور ادبی سوسائٹیوں پر ان کا کوئی اثر نہیں۔ گو جامع ازہر نے اپنے تعلیمی منہاج کی ایک حد تک اصلاح کر لی ہے، مگر ازہریوں کا نصب العین بھی سرکاری ملازمتوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ ارباب دین کی بے توجہی کا یہ عالم ہوا کہ روزانہ صحافت تو دین سے بے پروا ہو ہی چکی تھی، ماہانہ رسالے بھی دین سے بے تعلقی کو اپنا شعار بنانے لگے۔ پچھلے بیس پچیس سالوں میں المنار اور الزہراء دو قابل ذکر مذہبی رسالے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ المنار علامہ سید رشید رضا مرحوم (ف ۱۳۵۳ھ) کا رسالہ تھا۔ اس کی اشاعت مصر سے زیادہ مصر کے باہر تھی۔ سید رشید مرحوم کی وفات کے ساتھ گویا وہ بھی دفن ہو گیا۔ الزہراء ایک علمی رسالہ تھا، جو مسلمانوں کے علوم و فنون پر تحقیقی مقالات شائع کرتا تھا، وہ بھی عرصہ ہوا ناقدری کے باعث چند سال زندہ رہ کر آپ اپنی موت مر گیا۔ اب مصری ماہانہ صحافت پر بھی ان لوگوں کا قبضہ ہے، جو دین سے بیگانہ اور یورپ سے مرعوب ہیں، اور ان کا مطمح نظر حصول نام و نمود کے سوا اور کچھ نہیں........

یہ حالات ہیں، جن کے پیش نظر جماعت نے ایک بلند پایہ عربی ماہنامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ابھی تو جنگ کی فتنہ سامانیوں کے باعث آغاز کار بہت مشکل ہے، لیکن یہ رائے طے پا چکی ہے کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی عربی بولنے والی قوموں کو اسلامی دعوت اور اقامت دین کی تحریک سے روشناس کرانے کے لیے ایک رسالہ جاری کیا جائے۔ چونکہ کام اہم ہے اور اس کے لیے بڑی تیاریوں کی ضرورت ہے اس لیے راقم الحروف اپنا مستقر چھوڑ کر دار الاسلام آ گیا ہے، تاکہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عربی زبان میں ترجمہ اور لٹریچر کی تیاری کا کام باضابطہ اور منظم طور پر شروع کر دیا جائے، اور اس دوران میں اتنا کام ہو جائے کہ جنگ کے بعد عربی زبان میں نشر و اشاعت کا کام بلا پس و پیش شروع کیا جا سکے۔

اس سلسلہ میں سردست حسب ذیل کام ہمارے پیش نظر ہیں:-

(۱) جماعتی لٹریچر میں سے چیدہ چیدہ رسالوں کا عربی میں ترجمہ۔ (۲) لٹریچر سے بعض کتابوں کا ترجمہ، ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ

(۳) عربی زبان میں مختلف موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں تیار کرنا جن میں عربی ممالک کے مخصوص مسائل پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے بحث کی جائے۔
(۴) جنگ کے بعد عربی ماہ نامہ کی ادارت کے لیے اپنے کو تیار کرنا۔

ان میں سے آخر الذکر کام راقم نے اپنے ذمے لیا ہے، اور اللہ کا نام لے کر اس نے تیاری شروع کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں گزشتہ نصف صدی کی تمام اہم عربی مطبوعات مطلوب ہیں۔ پچھلی نصف صدی کے اندر عربی دنیا میں جتنی دینی، سیاسی اور اجتماعی تحریکیں رونما ہوئیں، ان سب کا گہرا مطالعہ کیے بغیر عربوں کی موجودہ نفسیات اور قومی مزاج اور فکری ماحول سے واقفیت ناممکن ہے اور اس واقفیت کے بغیر دعوت و تبلیغ کے فرض سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ مذہبی، تاریخی، ادبی ہر قسم کے مطبوعات کی ضرورت ہے۔ نیز اہم عربی رسالوں اور ہفتہ وار ادبی منشورات کی جلدیں بھی مطلوب ہیں۔ خاص کر المقتبس، المقتطف، الہلال، المنار، الزہرا، السیاسۃ الاسبوعیۃ، مجلۃ المجمع العلمی العربی، الرسالۃ، الثقافۃ، المعرفۃ کی جلدوں کی سخت ضرورت ہے۔ جن ارکان اور ہمدردوں کے پاس ان مطبوعات کا ذخیرہ ہو، وہ ہدیۃً یا استعارۃً جماعت کی لائبریری کو عنایت فرمائیں۔ ان کے علاوہ جو حضرات اس قسم کے ذخیرے الگ کرنا چاہیں وہ براہ کرم اطلاع دے کر شکر گذار کریں۔ ہمارے کارکنوں اور ہمدردوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنا چاہیے کہ یہ ایک فرد واحد کا کام نہیں۔ اور موجودہ حالات میں بیرون ہند ضروری کتابوں کی خریداری بھی ناممکن ہے۔

جماعتی لٹریچر سے منتخب رسالوں کے ترجمے کا کام لکھنؤ اور دہلی میں بعض دوستوں نے شروع کر رکھا ہے۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں کام کی رفتار سے مطلع کریں اور اپنی ترجمہ شدہ تحریریں ہمارے پاس بھیجتے رہیں، تاکہ مشورہ و خط و کتابت سے ترجمہ کے لیے ایک مرتب خاکہ تیار کر لیا جائے اور اسی کے مطابق تمام رفقاء کام کریں۔ نیز اور جو اصحاب اس مہم میں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہیں، وہ بخوشی ہمیں اطلاع دیں۔ اس سلسلے میں ایک اور اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمیں ٹھیکہ اور معاوضے پر کام کرنے والے مترجم مطلوب نہیں ہیں ہمیں ایسے رفیقوں کی ضرورت ہے، جو اسلامی تحریک کے نصب العین اور طریق کار سے حرف بہ حرف متفق ہوں، اور جذبۂ تبلیغ و عمل ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہو۔ وہ اس کام کو ایک دینی خدمت سمجھ کر انجام دیں۔

مندرجہ بالا میں جن ضرورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے پختہ کار اہل قلم مطلوب ہیں۔ ہمارے علم میں ارکان جماعت کے اندر ایسے افراد موجود ہیں، جو اس فرض کو کماحقہٗ انجام دے سکتے ہیں، ضرورت صرف توجہ اور مستعدی کی ہے۔ راقم الحروف بھی مستقل لٹریچر کے تیار کرنے میں اپنی سعی کوشش سے دریغ نہ کرے گا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی یہ تحریک جس باغیانہ ماحول اور نامساعد حالات میں کھڑی ہوئی ہے، ان سے یہ توقع رکھنا بے سود ہو گا کہ ہمیں بنے بنائے کارکن مل سکیں گے۔ دو تین سال کے تجربے سے یہ حقیقت آئینہ ہو گئی ہے کہ جو ارباب دانش کسی جماعت سے وابستہ ہو چکے ہیں وہ آسانی کے ساتھ ہماری دعوت پر لبیک نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے اگر اسلامی تحریک کو آگے بڑھانا ہے تو اس کے لیے ہمیں خاص طور پر کارکن تیار کرنا ہوں گے۔ اور یہ کام نظام تعلیم کی تبدیلی کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ بدقسمتی سے اس وقت ملک میں تعلیم کے جتنے نظام رائج ہیں ان میں سے کوئی ہماری ضرورتوں کے لیے کفایت نہیں کرتا۔ سرکاری نظام تعلیم تو یکسر لادینی (Secular) ہے۔ ان "قتل گاہوں" میں، جو ملک کے

طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں، نوجوانوں کو ان کے قومی و ملی تشخصات سے الگ کرکے زمانہ کی طوفانی موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس نظام کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ انتہائی بے مقصد ہے اور طالبعلموں میں کوئی ایجابی (Positive) کردار نہیں پیدا کرتا۔ قدامت کے سر پر تو یہ بڑی جوش و خروش کے ساتھ تیشہ زنی کرتا ہے۔ لیکن "تجدد" کے وہ اوصاف اور کردار بھی نہیں پیدا کرتا، جو یورپی طریقہ تعلیم کی خصوصیات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ دوسری طرف ہمارے عربی مدارس کا قدیم نظام تعلیم ہے۔ ان کے چلانے والے نئے حالات و مقتضیات سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ "دین" کا صحیح تصور اب تک ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ان کے روشن خیالوں کا یہ عالم ہے کہ "دینی" تعلیم (یعنی قدیم درس نظامی) میں جدید علوم و فنون اور انگریزی زبان کی آمیزش کو "طریقہ سلف" کے خلاف شمار کرتے ہیں۔ "دین" کا یہ محدود تصور جو فرائض خمسہ کی ادائی تک محدود ہے دنیا کے نئے افکار و حالات سے بے خبری مبارک اور مستحسن سمجھتا ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آج دنیا بدل چکی ہے۔ یورپ کی مادی تحریکیں نئے ساز و سامان سے آراستہ ہوکر قلب اسلام پر حملہ آور ہیں۔ سیاسیات اور معاشیات کی راہ سے آئے دن نت نئے نظریے ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں گھر کررہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے جب کوئی یک بیک ان نظریوں سے دوچار ہوا، اس کی آنکھیں خیرہ اور افکار مسموم ہوکر رہ گئے ہیں۔ اسی طرح جب اس فرسودہ نظام تعلیم کے چلانے والے سیاسیات میں آئے ہیں، تو جدید شیطانی سیاست کے شاطروں کے ہاتھوں انھیں بری طرح زک ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہ قصور مخصوص افراد کا نہیں، یہ اس ادھوری مذہبی تعلیم کا قصور ہے جو "دین" کو فقہی مذاہب اور قرآن و حدیث کی رسمی تعلیم میں منحصر سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے روشن خیال علما ہندوستان کی مسلم درسگاہوں کی تقسیم چار شعبوں (مذہبی، مذہبی دنیا آمیز، دنیوی، دنیوی دین آمیز) میں کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی کامل "دینی" درسگاہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ دین انسانی زندگی کے مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے، حیات انسانی کا کوئی شعبہ اس کے دائرہ عمل سے باہر نہیں۔ جو نظام تعلیم ایک مسلمان کو "دین کامل" کی تبلیغ و اشاعت کے لیے تیار نہیں کرتا وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں کہا جاسکتا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم خواہ جدید ہو یا قدیم، اسلامی تحریک کی مقتضیات کو پورا کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ اسلامی تحریک کو جس قسم کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، اس کی نشان دہی مولانا مودودی نے اپنے خطبہ "نیا نظام تعلیم" میں کردی ہے۔ مختصر طور پر یہاں اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ نئے نظام تعلیم میں جدید و قدیم یا دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہوگی، ہم نوجوانوں میں وہ تمام اچھے اور بلند اوصاف پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس وقت قدیم و جدید مدارس کی خصوصیات شمار کی جاتی ہیں۔ ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ ایک طرف ہمارے طلبہ ان تمام علمی و اخلاقی صفات سے آراستہ ہوں جن پر ہمارے پرانے مدرسوں اور نئی یونیورسٹیوں کو فخر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ ان صفات سے آراستہ ہوں، بلکہ ان اوصاف میں بھی موجودہ درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ سے بڑھ چڑھ کر ہوں۔ ان کے علاوہ ہم نوجوانوں میں کچھ ایسے علمی و اخلاقی صفات پیدا کرنا چاہتے ہیں جن سے مسلح ہوکر وہ باطل کے مقابلے پر آسکیں۔ ان کی علمی صلاحیت اتنی بلند ہو کہ وہ نظام باطل کے علمی اور تحقیقی قلعوں کو اپنی تنقید کی ضرب سے پاش پاش کردیں، دوسری طرف ان کا اخلاقی کردار اتنا ممتاز ہو کہ وہ بے خوف و خطر سیاست و عمل کے میدان میں اسلامی اخلاق کی عظمت کا سکہ بٹھا سکیں۔

امیر جماعت نے نئے نظام تعلیم کا خاکہ تو ۱۹۴۲ء ہی میں مرتب کرلیا تھا، لیکن جنگ کی تباہ کاریوں کے باعث اب تک کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا جاسکا۔ مگر انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ رفقاء اور ہمدردوں کی طرف سے تقاضے ہونے لگے، اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ حالات ہی میں جیسا کچھ بن پڑے مجوزہ تعلیم گاہ کی داغ بیل ڈال دی جائے۔ اس سلسلے میں پہلے قیم جماعت کی طرف سے ایک مبسوط سوال نامہ شائع کیا گیا، پھر ایک تعلیمی مجلس منعقد کی گئی۔

جس کی مفصل کارروائی زیرِ نظر اشاعت میں آگئی ہے۔ اس سے ہمارے ارکان اور ہمدردوں کو تعلیمی پروگرام کی پوری واقفیت ہو جائے گی۔

سردست اندازہ یہ ہے کہ ۸۰ طلبہ سے ابتدائی اور ۴۰ طلبہ سے ثانوی درسگاہ کا آغاز کیا جا سکے گا۔ کام بڑا ہے اور اس کے لیے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ایک دار الاقامہ کی تعمیر ناگزیر ہے۔ دو عمارتیں ابتدائی اور ثانوی درسگاہوں کے لیے ہوں گی۔ کم سے کم بیس پچیس اساتذہ کے لیے کوارٹر بنانا ہوں گے۔ موجودہ مسجد بہت چھوٹی ہے، ایک وسیع مسجد بھی تعمیر کرنا ہو گی جس میں پانچ چھ سو نمازیوں کی گنجائش ہو سکے۔ ان کے علاوہ لائبریری کے لیے بھی ایک خاص عمارت کی ضرورت ہو گی —— گو موجودہ حالات میں عالیشان عمارتوں کی تعمیر ناممکن ہے، عمارتیں بالکل سادہ اور خام ہوں گی پھر بھی موجودہ ہوشربا گرانی کے باعث کافی زیر باری ہو گی۔

درسگاہ کی تشکیل کے ساتھ ساتھ مرکز کا مسئلہ بھی طے پا گیا ہے۔ اور اب دار الاسلام ہی کی نو آبادی جماعت کا مستقل مرکز قرار پا گئی۔ اس لیے کارکنوں کی تربیت کا مسئلہ بھی زیرِ غور ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ لٹریچر سے متاثر ہو کر پرجوش نوجوان جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں، مگر تربیت کی کمی کے باعث اسلامی تحریک کی روح کو وہ جذب نہیں کر پاتے۔ اس لیے آغاز ہی سے تربیت گاہ کا قیام بھی امیر جماعت کے پیش نظر تھا۔ اور اب اس باب میں بھی فوری اقدام کی ضرورت ہے لیکن تربیت گاہ کے لیے بھی عمارت کی ضرورت ہو گی۔ مزید تعمیر کے بغیر اس کا افتتاح بھی مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ درسگاہ اور تربیت گاہ کے سلسلے میں ہماری ضرورتیں بہت ہیں۔ اور اللہ پر توکل کے سوا ہمارے پاس کوئی ظاہری سرمایہ بھی نہیں ہم اپنے اصول کے مطابق اصحاب جاہ و ثروت کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ جن اصحاب کو ہمارا کام اپیل کرے اور انھیں ہماری دیانت اور کارکردگی پر اعتماد ہو، وہ خود اپنا حصہ پیش کریں۔ اس میں وہی اصحاب خیر پیش قدمی کریں جو خالصۃً لوجہ اللہ جماعت کی امداد کرنا چاہیں اور انھیں کسی طرح کا نام و نمود مطلوب نہ ہو۔ عطایا کتنے ہی بیش قرار ہوں، ہماری پالیسی پر نظر انداز نہیں ہو سکیں گے اور نہ اخباروں اور رسالوں میں ان کا شکریہ ادا کیا جائے گا —— اب ہمارے رفقاء اور ہمدردوں کا فرض ہے کہ وہ ہمت سے کام لے کر آگے بڑھیں، تاکہ تعمیر کا کام پروگرام کے مطابق جلد از جلد تکمیل کو پہنچ جائے۔ اور درسگاہ کے افتتاح میں تعویق یا التوا نہ ہو —— ورنہ ہم اپنی بساط بھر جو کچھ بن پڑے گا، کرتے رہیں گے، خواہ مجوزہ پروگرام کی تکمیل میں کتنی ہی دیر لگے۔ تاخیر گوارا ہے، مگر اصول سے ہٹنا منظور نہیں۔

جماعت کے سامنے جو اہم علمی اور تحقیقی کام در پیش ہیں، ان کے لیے ایک اچھی لائبریری کا قیام بھی ناگزیر ہے مختلف شعبوں کی مختلف ضرورتیں ہیں، درسگاہ کے لیے درسی کتابیں مطلوب ہیں۔ نصاب تعلیم کی ترتیب کے لیے وہ تمام نئی اور پرانی کتابیں چاہئیں، جو مدرسوں اور کالجوں میں داخل درس تھیں یا ہیں۔ جن اصحاب کو نئی یا پرانی درسی کتابوں کا علم ہو، وہ ہماری امداد کریں، یا ان کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ نیز فنِ تعلیم اور معلوماتِ عامہ کے متعلق ہر قسم کی کتابیں، اور ہر زبان میں مطلوب ہیں۔

درسگاہ کی تشکیل اور تعلیمی پروگرام کے نفاذ کے بعد جماعت کے پیش نظر شعبۂ تحقیق و تالیف (Academy) کی تاسیس ہے۔ اس کے لیے بھی عنقریب ایک مجلس مشاورت منعقد کی جائے گی۔ اس کے لیے ایک عظیم الشان کتب خانہ کی ضرورت ہو گی۔ اور ہمیں ابھی سے کتابوں کی فراہمی کی کوشش شروع کر دینا چاہیے۔ ہمارے ہمدردوں میں سے جو اصحاب علمی کتابیں (خواہ کسی زبان میں ہوں) مجوزہ لائبریری کو ہدیہ کر سکیں یا مستعار دے سکیں، وہ ہمیں اپنی کتابوں کی فہرست سے مطلع کریں، اور جو اصحاب نظر فراہمی کتب کے سلسلے میں کوئی مناسب مشورہ دے سکیں، وہ بھی بخل سے کام نہ لیں۔